

انگریزی ذریعہ تعلیم، تہذیب اور اثرات تجزیاتی مطالعہ

*میراشرف

**عبدالرؤف ظفر

Abstract

Education plays a key role in the development of a nation as education system depicts the faith, culture, norms, values and history of any nation. In the subcontinent Islam spread at a great speed, its main reason was its education system. The Muslim rulers give great importance to education at all levels. But after the English invaders and foreign culture, our education system got a setback.

The key role was played by British scholars like lord Machala and his influence. But now_a_days we can see the severe effects of the Western as well as Indian influence on our education system. Our education system has become a puppet in the hands of Western and Indian media. The true spirit of Islam has completely vanished from our society; we can see its worst form at our primary level. English education system is trying to inculcate foreign (secular) ideas in the youth. They are deprived of the true vision of Islam. Materialism, fashion, greed and waywardness of the youth are at the peak.

It is an alarming stage. Now it is the duty of every Pakistani to present a true Islamic spirit in our education system.

Keywords: Education System, English Medium, Culture and Civilization.

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ قدیم بابلی اور مصری تہذیب ختم ہو گئی ہے تو اس سے مراد نہیں ہوتا ہے کہ وہ اقوام کسی جنگ یا قتل عام کے نتیجے میں ختم ہو گئی ہیں۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ وہ دوسرا کسی تہذیب سے متاثر ہونے کے نتیجے میں اپنی تہذیب کے امتیازی خصائص واوصاف کو چھوڑ چکی ہے۔

ہر قوم کی تہذیب کا دار و مدار اُس کے مخصوص عقائد و نظریات پر ہوتا ہے۔ جن کی بنیاد پر وہ قوم اپنی مخصوص شناخت رکھتی ہے۔ ترقی یافتہ اقوام اپنے نظام تعلیم کو اُسی نظریے اور فکر پر ترتیب دیتی ہیں جسے وہ اپنی تہذیب کی

*لیکچر ارگونمنٹ پوسٹ گرینج ایس اسلامیہ کالج، کوپروڈ، لاہور

**میرزا، شعبہ علوم اسلامیہ، سرگودھا یونیورسٹی، سرگودھا

اسس گردانتی ہیں کیونکہ نظام تعلیم ہی نئی نسلوں کو کسی بلند نصب اعین کی طرف پرواز کرنے کے لیے فکر و حکمت کے بال و پر دیتا ہے۔

قومی زندگی میں نظام تعلیم کی وہی حیثیت ہے جو فرد کے لیے اس کے دماغ کی ہوتی ہے اسی لیے ایک طاقت و رہنڈیب اور قوم جب ایک کمزور تہذیب اور قوم پر غلبہ پالیتی ہے تو وہ محض ملک اور علاقے فتح نہیں کرتی بلکہ دل و دماغ بھی فتح کرتی ہے۔ اپنی فتح اور غلبے کے استحکام کے لیے اس امر کی کوشش کرتی ہے کہ مغلوب تہذیب اور قوم کے دل و دماغ ہمیشہ مقتول رہیں۔ وہ اس کی فکر اور تہذیب کو برتر سمجھیں، اس کے رسایا بن جائیں، اس کی پیری وی کرنے لگیں اور اپنی فکر کو حقیر، کمتر اور ناقص سمجھیں اور اس پر عمل کی خواہش و کوشش نہ کریں۔ جو ماضی میں ان کی پہچان رہا ہے۔ یہی کچھ مغربی اقوام نے مسلم ممالک کے ساتھ کیا۔ جس کی وجہ سے مسلمان نوجوان نے انگریزی تعلیم کے ساتھ مغربی تہذیب کو اپنانے میں ہی کامیابی اور ترقی کا راز سمجھ لیا اور وہ مغربی فکر، فلسفہ اور تہذیب و ثقافت سے بربی طرح مرعوب ہوا۔ ارتقاء و تخلیق کے دروازے اپنے اوپر بند کر لیے۔ مغربی تقلید کو اپنانے شعار بنا لیا۔

علامہ اقبال نے ”ارمناں ججاز“ میں اس صورت حال کو اپنی نظم ”آواز غیب“ میں اس طرح بیان کیا ہے:

<p>کھویا گیا کس طرح ترا جوہر ادراک ہوتے نہیں کیوں تھے سے ستاروں کے جگر چاک؟ کیا شعلہ بھی ہوتا ہے، غلام خس و خاشاک؟ کیوں تیری نگاہوں سے لرزتے نہیں افلاک نے گرمی افکار، نے اندیشہ بے باک (۱)</p>	<p>آتی ہے دم صح صدا عرش بریں سے کس طرح ہوا کند تیرا نشتر تحقیق؟ تو ظاہر و باطن کی خلافت کا سزاوار مہرومه و انجمن نہیں محکوم ترے کیوں؟ اب تک رواں گرچہ لہو تیری رگوں میں بدستی سے ہم پر جو نظام تعلیم مسلط ہے وہ ہمارے نظریے، قوی و جود اور تہذیبی شخص سے ہر گز میل نہیں کھاتا۔ لارڈ میکالے کے اس نظام تعلیم نے ہمارا نصاب بدلا، ذریعہ تعلیم بدلا، تعلیمی اداروں کا ماحول بدلا، تربیت کا انداز بدلا۔ ایسے مسلمان پیدا کرنے شروع کیے جو نام کے تو مسلمان ہوں لیکن فکری و عملی لحاظ سے مغربی تہذیب کے رسیا اور پیر و کار ہوں، اسی حوالہ سے علامہ اقبال لکھتے ہیں۔</p>
---	--

<p>اس عیش فراواں میں ہے ہر لحظ غم نو وہ علم نہیں، زہر ہے احرار کے حق میں یہ بات قطعی درست ہے کہ ”نوجوان قوم کا مستقبل اور سرما یہ ہیں“، اس لیے ضروری ہے کہ نئی نسل کی</p>	<p>یہ مدرسہ، یہ کھیل، یہ غوغاء میں رو رو وہ علم نہیں، زہر ہے احرار کے حق میں دو کفِ جو (۲)</p>
---	--

ترہیت اپنی فکر اور نظریے کے اعتبار سے کی جائے۔ پاکستان کی ستر فیصد آبادی 30 سال سے کم عمر افراد پر مشتمل ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہمیں اپنی نسل کی تغیری و تربیت لا رُد میکالے کے دیے ہوئے نظام تعلیم کے مطابق نہیں بلکہ اپنے نظریے اور فکر و تہذیب کے مطابق کرنی چاہیے۔

مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:

”اب اگر ہم اپنا ایک کلچر رکھتے ہیں، ہم ایک ایسی قوم ہیں جس کے اپنے عقائد ہیں، جس کا اپنا نظریہ زندگی ہے، جس کا اپنا نسب اعین ہے۔ جو اپنی زندگی کے کچھ اصول رکھتی ہے تو لازماً ہمیں اپنی نئی نسلوں کو اس غرض کے لیے تیار کرنا چاہیے کہ وہ ہمارے اس کلچر کو نہ صرف یہ کہ زندہ رکھیں بلکہ آگے انہی بنیادوں پر اسے ترقی دیں جس پر ہمارا یہ کلچر قائم ہے..... مجھے کوئی ایسی قوم معلوم نہیں جس نے اپنا نظام تعلیم خالص معروضی بنیادوں پر قائم کیا ہوا اور اپنی نسلوں کو بے رنگ تعلیم دینے کی کوشش کی ہو۔ اسی طرح مجھے ایسی بھی کوئی قوم معلوم نہیں ہے جو دوسروں سے ان کا نظام تعلیم جوں کا توں لے لیتی ہو اور اپنی تہذیب کا کوئی رنگ اس میں شامل کیے بغیر اسی سانچے میں اپنی نئی نسلوں کو ڈھالتی چلی جاتی ہو۔“ (3)

ایک اور جگہ مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:

”یہ یونیورسٹی کسی کلچر کی خادم ہوتی ہے۔ ایسی مجرم تعلیم جو ہر رنگ اور ہر صورت سے خالی ہو، نہ آج تک دنیا کی کسی درس گاہ میں دی گئی ہے نہ آج دی جا رہی ہے۔ ہر درس گاہ کی تعلیم ایک خاص رنگ اور ایک خاص صورت میں ہوتی ہے اور اس رنگ و صورت کا اختیاب پورے غور و فکر کے بعد اس مخصوص کلچر کی مناسبت سے کیا جاتا ہے۔ جس کی خدمت وہ کرنا چاہتی ہے،“ (4)

مگر الیمیہ یہ ہے کہ

”پاکستان کا نظام تعلیم ایک کھلی چاگاہ کی مانند ہے۔ دنیا بھر کی تنظیمیں طعن عزیز میں اپنے اپنے تعلیمی ادارے کھول رہی ہیں، اپنے نصاب پڑھا رہی ہیں، اپنے سرٹیفیکیٹس دے رہی ہیں اور ہمارے صاحب اقتدار ترقی پسندی کے نام پر اُن کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں۔ بلکہ اس سے بڑھ کر اُن کے اتباع میں سرکاری سکولوں کے نصاب تبدیل کر رہے ہیں۔ ان نادان ارباب اختیار سے تو کافرانہ معاشروں میں رہنے والی مسلم اقلیتیں ہی زیادہ با بصیرت ہیں کہ وہ اپنی نسلوں کی حفاظت کا انتظام کر رہی ہیں۔ جب کہ ہمارے ارباب اختیار وطن عزیز کی نئی نسل کو فکری اور اخلاقی سطح پر تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ سرکاری سکولوں کے طلبہ کو اگر دینی تشخیص اور پاکستانی شناخت نہ دی گئی تو

وہ کرائے کے ایسے مزدور ہوں گے جنہیں جو چاہے خرید لے اور جس کام پر چاہے لگا دے۔“ (5)

آج یہ بات حقیقت ثابت ہو گئی ہے کہ دشمن ہمارے ہی نوجوانوں کو گمراہ کر کے اپنے ہم وطنوں کے خلاف بھم دھماکے کروارہا ہے۔ سیاسی میدان میں استعماری قوتوں کو جب مسلم ممالک سے نکلنا پڑا تو انہوں نے اقتدار بالعلوم ایسے لوگوں کے سپرد کیا جو ان کے قائم کردہ تعلیمی اداروں کے تعلیم یافتہ اور تربیت یافتہ تھے اور مغربی تہذیب کے شائق و ریاست تھے۔ چنانچہ انہوں نے مسلم معاشرے میں مغربی فکر و تہذیب کو رائج کرنے میں دلچسپی لی اور قومی زندگی خصوصاً نظام تعلیم اور سیاسی نظام کو اسلامی تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کی نصف یہ کوئی کوشش نہ کی۔ بلکہ اٹھا جیلے بہانوں سے اس کی مخالفت اور مراجحت کی اور اس کے علم برداروں پر ظلم و ستم ڈھائے اور انہیں ناکام بنانے کے لیے مغربی قوتوں کی اشیرباد سے ریاستی قوت استعمال کی۔ انہوں نے مغربی ایجنسیز کے ہدایت ہوئے نظام تعلیم، ذرا رائج ابلاغ اور دوسرا سارے شعبہ ہائے حیات میں مغرب پرست پالیسیوں کو نافذ اور رائج کیا۔

”اب آغا خان“ امتحانی بورڈ، کوآرڈی نینس کے ذریعہ نافذ کر کے جس طرح پاکستان کے نظام تعلیم کے ذریعہ غلام نسلیں پروان چڑھانے کی منصوبہ بندی کی گئی ہے یہ حق تو دنیا کے کمزور ترین ملک صومالیہ، یہی اور نیپال جیسے لوگ بھی دوسروں کو دینے کو تیار نہ تھے۔ افسوس اس طرح ملک کا مستقبل نسل نو کا انشا طشتہ میں میں رکھ کر مغربی استعمار کو تھفتاً پیش کر دیا گیا۔ (6)

علام محمد اقبال نے پون صدی قبل ہی استعمار کے مذموم عزم اُم سے آگاہ کر دیا تھا:

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا	روح محمد اس کے بدن سے نکال دو
فکر عرب کو دے کے فرنگی تخلیقات	اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو“ (7)

و صدیوں سے اہل مغرب اسی ایجنسیز پر عمل پیغام رہے ہیں۔ مگر زوال روس کے بعد ان سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی ہے اور پھر 11 ستمبر 2001ء کے حادثے کے بعد آنے والی تبدیلیاں تو برق رفتار ہو چکی ہیں۔

اور یا مقبول جان ”تعلیم کے نام پر بربادی کا کھیل“ میں لکھتے ہیں: ”1999ء میں برلن کا نفرنس منعقد کی گئی۔ اس کا موضوع تھا، مغربی اور اسلامی معاشروں کے تعلقات، اس کا نفرنس میں ایک اعلامیہ جاری کیا گیا جس کا مقصد تھا:

3- عالمی اشتراک Global Mutuality

2- عالمی اتحاد Global unity

1- مکمل عالمگیریت Global Wholesome

اس اعلامیہ میں کہا گیا کہ ہمیں پرانی اور سینئری سطح پر ایسی تعلیم دینا ہوگی جو آسٹریلیا کے شہر سدنی سے امریکہ کے شہر ہوائی تک ایک طرح کے ہیروز، ایک طرح کی اقدار اور ایک جیسی سوچ کو جنم دیے۔ اس کام کے لیے مغربی عطیات پر چلنے والی این جی اوز کو سامنے لا یا گیا۔ چند یکساں موضوعات کو نصاب کا موضوع بنایا گیا۔ یعنی انسانی حقوق، حقوق نسوان، بچوں کے حقوق، عورتوں پر تشدد، گراس روٹ جمہوریت اور رش خیال اعتدال پسندی، جیسے نظر دیئے گئے۔

اس طرح پاکستان کا مسلم معاشرہ جسے 1400 سال قبل انسانی حقوق کا اسلام کی طرف سے ”جیوجی الوداع“ والا شامدار چارڑ مل چکا تھا۔ اب اسے 1995ء کی ”بیجنگ کانفرنس“ نے حقوق نسوان دیے، چلڈرن رائٹس کمیشن نے بچوں کے حقوق، ایمنٹی انٹرنیشنل نے پہلی بار انسانوں کو انسان سمجھا اور یہ سب کچھ اس قوم کے نصاب میں سمودیا گیا جو 1400 سال پہلے سے اللہ رسول کا یہ پیغام سنتی اور اس پر عمل کرتی چلی آ رہی تھی۔

اے مسلمانو! تم پر کسی انسان کی جان، مال، عزت و آبرو، آج (یعنی دس ذی الحجه) کے دن اور اس مہینے اور اس مقام سے زیادہ مقدس و محترم ہے تم میں سے کسی عربی کو عجی اور کسی عجی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں سوائے تقوی کے۔” (8)

اہل مغرب کا خصوصی ہدف مسلمان طلبہ اور مسلمان عورتیں ہیں۔ وہ اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کی تمام ترقوت ان کی اخلاقی و روحانی قدریں ہیں۔ اگر ان کی نوجوان نسل آوارگی اور بے حیائی کا شکار ہو جائے تو ان کو کنٹرول کرنا آسان ہو گا۔

علامہ محمد اسد نے اپنی اگریزی تصنیف ”ISLAM AT THE CROSSROADS“ میں مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ہے:

”وہ مغربی سماجی اقدار کی اندھی تقلید نہ کریں اور اس کے بجائے اپنے اسلامی و رشد کو محفوظ کرنے کی کوشش کریں جس نے کسی زمانے میں کشرا چھتی اور تاریخی طور پر شامدار مسلم تہذیب کو جنم دیا تھا۔ لہذا مسلمانوں کو مغربی تہذیب کی نقاہی سے گریز کرنا چاہیے کیونکہ مسلم تہذیب اور مغربی تہذیب میں کوئی روحانی مطابقت نہیں۔“ (9)

یہ صورت حال کس قدر الملاک اور تکلیف دہ ہے کہ علامہ اسد نے پون صدی پہلے جن خدشات کا اظہار کیا تھا وہ اب خوفناک اور مجسم شکل میں سامنے آ رہے ہیں۔ آج مغربی تعلیم کے فروع کے باعث نوجوان نسل اپنی شاخت کے بھر ان سے دوچار ہے۔

”مغربی تہذیب اپنے تمام تر شیطانی ذرائع سے اس پر حملہ آور ہو چکی ہے اور اسلامی معاشرے کے ستون ایک کے کمزور پڑتے جا رہے ہیں۔ (10)

یہی وجہ ہے کہ تعلیم، عالمی غلبے کے حصول کے لیے جدید تہذیب مغرب کا بہت بڑا ہدف ہے۔ مسلمانوں میں ماذل مغربی تعلیمی اداروں کا قیام، نصاب تعلیم کی تشکیل نو اور پھر ذریعہ تعلیم کے لیے مغربی زبانوں کا استعمال دراصل استعماری قوتوں کی تقویت اور مقامی معاشرے کی توڑ پھوڑ کا زبردست حرہ ہے۔ پاکستان میں اس کا بڑا نقصان تو یہ ہے کہ انگریزی لازمی کا نصاب ہمارے طلبہ کا قفل عام کر رہا ہے۔ انگریزی انھیں نہیں آتی۔ میٹرک، ایف اے اور بی اے میں بے شمار طلباء انگریزی میں فیل ہونے کی وجہ سے پورے امتحان میں ناکام رہ جاتے ہیں۔

اگر اعداد و شمار کی زبان میں بات کی جائے تو پھر ایک تجزیہ یہ بھی ہے ”1947ء سے 1997ء تک پاکستان میں 79,229 ڈاکٹر بنے۔ ان میں سے 22,324 ڈاکٹر یورپ اور امریکہ میں کام کر رہے ہیں۔ اس دوران 68,686 انجینئر تیار ہوئے جن میں سے 17,518 یورپ ملک خدمات انجام دے رہے ہیں۔ 1100 بین الاقوامی سٹھ کے سائنس دانوں میں سے 651 جمنی، فرانس، انگلینڈ، امریکہ اور آسٹریلیا میں اپنی مہارت پیش رہے ہیں۔ 13,000 کمپیوٹر کے ماہرین تیار ہوئے۔ ان میں سے 7,321 یورپ جا کر آباد ہو گئے جبکہ خود پاکستان کی حالت یہ ہے ہمیشہ ڈاکٹر، انجینئر، اور سائنس دانوں کی کمی محسوس ہوتی رہتی ہے۔ وہ لوگ ذاتی مفادات کی خاطر دیار غیر کو اپنی خدمات فروخت کرتے رہتے ہیں اور اپنا ملک ان کی خدمات سے محروم رہتا ہے۔“ (11)

الگاش میڈیم سکولر کے تعلیم پر اثرات

اس موضوع پر بات کرنے سے پہلے لارڈ میکالے کے اس خطاب پر ایک نظر ڈالتے ہیں جو اُس نے برطانوی پارلیمنٹ سے 2 فروری 1835ء کو کیا۔

"I have travelled across the length and breath of India and I have not seen one person who is a beggar, Who is a thief. Such wealth I have seen in this country, such high moral values, people of such calibre, that I do not think we would ever conquer this country unless we break the very back bone of this nation, which is her spiritual and cultural heritage, and, therefore I propose that we

replace her old and ancient education system, her culture, for if the Indians think that all that is foreign and English is good and greater than their own, they will lose their self-esteem, their native self-culture and they will become what we want them, a truly dominated nation"

"میں نے ہندوستان کے طول و عرض کا سفر کیا۔ میں نے وہاں کوئی بھکاری دیکھا اور نہ ہی کوئی چور، وہاں کی اخلاقی اقدار بہت بلند ہیں۔ وہاں لوگ بہت ذہین ہیں۔ ہم شاید وہاں بہت طویل عرصہ قبضہ رکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ جب تک ہم ان کی اصل ریڑھ کی ہڈی کو نہ توڑ دیں۔ میرا مطلب ان کی روحانی اور ثقافتی اقدار سے ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے میں تجویز پیش کرتا ہوں کہ ہم ان کا قدیم اور پرانا نظام تعلیم اور ان کی ثقافت کو تبدیل کر دینا چاہیے اور ہندوستانیوں کے ذہن میں بیٹھا دینا چاہیے کہ مغرب اور انگریزی سماج ان سے عظیم تر ہے۔ اس طریقے سے وہ اپنی عزت نفس اور آبائی کلچر دونوں بھلا کروہ بن جائیں گے جو ہم چاہتے ہیں یعنی ایک مفتوح قوم" (12)

علامہ اقبال ضربِ کلیم میں اپنی نظم "نصیحت" میں لا رڈ میکا لے کی فکر کو اس انداز سے دیکھتے ہیں:

اک مرد فرنگی نے کہا اپنے پسر سے منظر وہ طلب کر کہ تیری آنکھ نہ ہو سیر بیچارے کے حق میں ہے یہی سب سے بڑا ظلم بُرے پ اگر فاش کریں قاعدة شیر کرتے نہیں حکوم کو تینوں سے کبھی زیر سینے میں رہے رازِ ملوکانہ تو بہتر تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو ہو جائے ملامٰ تو جدھر چاہے اُسے پھیر سونے کا ہمالہ ہو تو تمثیل کا ہے اک ڈھیر (13)
--

(i) تعلیم ایک کاروبار:

اسلام میں تعلیم کا رو بار نہیں خدمت اور مشن ہے۔ مغربی تہذیب کے اثر سے پہلے مسلم معاشرے میں گزشتہ چودہ صدیوں میں تعلیم کبھی مال تجارت نہیں رہی۔ اب ہر کس و ناکس تعلیمی ادارہ کھول کر بیٹھ جاتا ہے کاروباری انداز سے ادارے کو چلاتا ہے۔ جس کے بہت سارے نقصانات ہیں۔

- تعلیم مہنگی ہے فیسیں زیادہ ہونے کی وجہ سے ہر بچہ تعلیم حاصل نہیں کر سکتا۔
- اس امنڈہ کو تխواہ کم دی جاتی ہے جس وجہ سے آئے دن اس امنڈہ تبدیل ہوتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے

طلبہ کا تعلیمی معیار ناقص رہ جاتا ہے۔

-3 تعلیم مہنگی ہونے کی وجہ سے صرف وہ مضامین پڑھائے جاتے ہیں جن کی مارکیٹ میں ڈیمانڈ ہو۔ مثلاً کمپیوٹر، بنس میجنٹ، کامرس، انجینئرنگ، میڈیا یکل وغیرہ، اسلامی، مشرقی اور سماجی علوم جو ذہن سازی اور تعمیر شخصیت کا کام کرتے ہیں وہ نہیں پڑھائے جاتے۔

-4 تعلیم کا مقصد نہ خود شناسی رہانہ خدا شناسی بلکہ صرف حصول ملازمت ٹھہرا جس کا نتیجہ ہے کہ نوجوان نسل بغیر تربیت کے خود روپوں کی طرح بڑھ رہی ہے۔

(ii) انگریزی تعلیم کے ذریعے انگریزی تہذیب کا زہر قوم میں سراہیت کر رہا ہے:

یا ایک مسلمہ حقیقت ہے زبان انتقال فکر و ثقافت کا ذریعہ ہوتی ہے۔ ہماراالمیہ یہ ہے کہ تین چار سال کے بعد کو انگریزی زبان اصرار کے ساتھ سکھانا شروع کر دی جاتی ہے۔ یہ حرکت کسی زندہ قوم سے سرزنشیں ہو سکتی۔ دنیا میں جس قوم نے بھی ترقی کی ہے اپنی قومی زبان میں ہی کی ہے۔ چین تو چینی زبان میں ترقی کر سکتا ہے مگر سندھ چینی زبان لازم کر کے ترقی نہیں کر سکتا۔ پاکستان کو آزاد ہوئے 65 سال ہو چکے ہیں مگر آج تک ہماری قومی زبان اردو ہونے کے باوجود دفتری زبان انگریزی ہے۔ اس لیے اعلیٰ ملازمتوں کے امتحان PCS، CSS کی زبان انگریزی ہے۔ فوج کی تعلیمی و تربیتی زبان انگریزی ہے۔ انگریزی زبان میں مہارت کے لیے انگریزی ذریعہ تعلیم ضروری ہے۔ ستم یہ ہے کہ انگریزی زبان سکھانے کے لیے اسکے سفروں کی کتب پڑھائی جاتی ہیں۔ جس میں ان کی تاریخ، انجمنی کی تہذیب، انجمنی کا فلسفہ پڑھایا جاتا ہے گویا کہ ہمارے نوجوان پاکستان میں بیٹھ کر غیروں کا ادب غیروں کی تہذیب و ثقافت پڑھتا ہے۔ لہذا اس کی مثال اُس درخت کی ہے جسے اپنی سرز میں سے نکال کر اجنبی سرز میں میں لگا دیا گیا ہوگا۔ اُس کا ماحول، آب و ہوا سب کچھ اس کی ضرورت کو پورا نہیں کرتا لہذا وہ اجنبی ماحول میں پھل پھول نہیں سکتا۔ اسی طرح اس نظام تعلیم سے فارغ التحصیل طالب علم تقید جامد کا رسیا ہو جاتا ہے۔ اس ماحول میں اپنے آپ کو اجنبی محسوس کرتا ہے۔ اگر کسی خوش قسمت یورپی ممالک میں جانے کا اتفاق ہو جائے تو وہ وہاں جا کر کھل اٹھتا ہے اور یہ محسوس کرتا ہے کہ یہی وہ جنت تھی جو اتنے برس اُسے دکھائی گئی تھی اب وہ ٹھیک جگہ پر آگئا ہے۔

(iii) گرامر سکول، پلک سکول:

یہ وہ سکول ہیں جو مغربی معاشرے میں ان کی تعلیمی تاریخ کے مختلف مراحل میں وجود میں آئے جس کے اپنے اسباب تھے۔ یہاں صرف ان ناموں کی نکل ماری جاتی ہے تاکہ اچھے انگش میڈیم سکول کا تاثر دیا جاسکے ورنہ ان کا لے انگریزوں کی غالب اکثریت کو یہ معلوم ہی نہیں کہ ایک ”پلک سکول“ اور ایک ”گرامر سکول“ ایک عام سکول سے کیسے مختلف ہوتا ہے۔

(iv) پینٹ شرٹ، کلخائی، وی کی پٹی:

یہ مسلم پاکستانی طلبہ و طالبات کا لباس ہے اور اسکول والے اپنے نظم و ضبط کی خاطر اس کو لازمی قرار دیتے ہیں۔ جو بچے متعین یونیفارم میں نہ ہوں انھیں جرمانہ کیا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں اور پاکستانیوں کو بچپن سے مغربی معاشرت اختیار کرنے کا پابند کیا جائے تاکہ وہ ساری زندگی اس پر عامل رہیں۔ گلے میں وی کی پٹی لٹکانے کا مطلب یہ ہے کہ اے بچی! تم نے ساری زندگی سرنگا رکھنا ہے، دو پڑھ لٹکانے کی چیز ہے، سڑھانپنے کی نہیں۔“ (14) بچوں کو اول یا اول کروانا امیر لوگوں کا معیار ہے۔ یہ سوچے سمجھے بغیر کہ اس طرز تعلیم کے نتیجہ میں نوجوان کی شخصیت منقسم ہو جاتی ہے وہ اپنے گھر اور معاشرے کی اقدار و روایات کو اپنے نصاب کی اقدار و روایات سے بہت مختلف محسوس کرتا ہے۔ جس کے نتیجہ اس کا ذہن کشمکش کا شکار رہتا ہے وہ فرضیہ لیشن کا شکار ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے صلاحیتیں معدوم ہو جاتی ہیں۔ نتیجتاً وہ ذہن اور تعلیم یا نتہ ہونے کے باوجود ملک و ملت کے لیے مفید ثابت نہیں ہوتا۔

ان حالات کی ترجمانی مولانا مودودیؒ اس طرح کرتے ہیں:

”آج کے نوجوان کے ذہن شک و تردی کی آماجگاہ بننے ہوئے ہیں۔ مغربیت زدہ تعلیم نئی نسلوں کو ہماری ملی روایات اور تہذیبی ورثتے سے کاٹ کر ہمارے معاشرے کی بیخ کرنی کر رہی ہے۔ جدید فلسفہ اور سائنس کے حملوں نے ذہنی اطمینان اور قلبی سکون کو پامال کر دیا ہے اور قوم کے ذہن و فعل طبقے عقیدہ و عمل دونوں کے اعتبار سے نیم مسلمان، بلکہ بعض حالات میں نامسلمان بنتے جا رہے ہیں۔ آج ہماری حالت اس جہاز کی سی ہے جس کے سامنے ایک عظیم سفر کے امکانات ہوں لیکن جس کے لنکر ٹوٹ چکے ہوں۔ آج ہم اس قافلہ کی طرح ہیں جس کے پاس جوان ہمیں تو ہوں مگر جو منزل کا پتہ بھول گیا ہو۔ تاریخ نے ہمیں اس مقام پر لاکھڑا

کیا ہے جہاں 52 کروڑ مسلمانوں کی یہ عظیم جمیعت اپنی 34 آزاد مملکتوں کے ذریعہ ایک بے مثال عالمی کردار ادا کر سکتی ہے۔ لیکن اپنی اندر ورنی، ذہنی، غلامی اور فکری انتشار کی وجہ سے وقت کے اس چیلنج کا مردانہ وار جواب دینے کے بجائے محض گھبراہٹ اور سراسری کا شکار ہے۔ (15)

(v) مادہ پرستی کا محرك:

دین اسلام فلاح و کامرانی کا تصور آخرت کی کامیابی کا دیتا ہے۔ عقیدہ آخرت ہمیں یہ درس دیتا ہے کہ دنیا میں تمام اعمال کی جزا اسرام ممکن نہیں ان سب معاملات کا حساب آخرت میں ہو گا۔ لہذا دنیا کی تعیشات کے حصول کے لیے دوڑنے لگائی جائے بلکہ مسابقت نیکی کے کاموں میں کی جائے۔

مغربی تہذیب میں ہر فرد کا ہدف دنیا کی بہتری ہے۔ اس لیے مغربی نظام تعلیم سے فارغ التحصیل نوجوان بھی اس دوڑ میں شامل ہو گئے۔ راتوں رات امیر بننے کا شوق ہر صحیح و غلط کام پر اکساتا ہے۔ جب دنیا میں عزت کا معیار دولت ٹھہرا تو ہر شخص ضرور یہ کوشش کرنے پر مجبور ہو گا کہ وہ زیادہ سے زیادہ سرمایہ حاصل کرے خواہ اس کے لیے کوئی بھی ناجائز حرਬہ استعمال کرنا پڑے۔

(vi) دین بے زار نظام تعلیم:

”یہ سیکولر نظام تعلیم اللہ و رسول گی تعلیمات سے دور کرنے والا، ملد اور مذہب بے زار بنانے والا ہے۔ دوسری طرف یہ اہل مغرب کی وفاداری کا دم بھرنے والا ہے۔ اس نے ملی غیرت، قومی حیثیت، مومنانہ شجاعت و بے باکی کو ختم کر کے خونے غلامی کو مستحکم کیا۔ پنجاب یونیورسٹی کی انکوائری رپورٹ میں درج ہے۔ ”درس گاہوں میں نہ وہ حیات روحانی ہے جو طالب علموں میں سوزی دروں پیدا کرے نہ وہ وحدت اجتماعی ہے جو اس کی وفاداری کو استواری بخشے، نہ وہ ذہنی و اخلاقی شعلہ ہے جو اس کے سینے میں ولولوں کے چراغ روشن کرئے۔“ (16)

اکبرالہ آبادی نے کیا خوب کہا تھا:

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوں کہ فرعون کو کالج کی نہ سمجھی
دین کو محض رسوم و رواج تک محدود کر دیا گیا۔ اگر کوئی اسلامی حکم سمجھنے آئے تو اسے قدامت پرستی

اور غعیف الاعتقادی کہہ کر رد کر دیا جاتا ہے۔ دین اسلام کو چودہ سو سال پرانا قرار دے کرنا قابل عمل قرار دے دیا جاتا ہے۔ ترقی کی دوڑ میں شامل ہونے کے لیے بے دینی یادِ دین بے زاری کو ضروری قرار دے دیا جاتا ہے۔

(vii) ”او“، یول کے لیے تاریخ کی کتب، ایک زہر قاتل:

ہمارے ہاں ”او“، یول کے نصاب میں جو کتب پڑھائی جاتی ہیں اس کی چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔ ”اورنگ زیب عالمگیر طاقت کے حصول کا حریص تھا مگر ساتھ ہی اس کو دولت یا عیاشی کی طلب تھی وہ اپنے دشمنوں کے لیے بے رحم تھا چاہے اس کے اپنے خاندان والے ہی کیوں نہ ہوں گری یا رویہ عجیب نہیں کیونکہ حکمرانی کے لیے یہ کرنا پڑتا ہے۔ اس نے آکثر حرم دلی کا مظاہرہ کیا مگر جو بھی اس کے راستے میں رکاوٹ بن کر آیا اس کو اڑا دیا گیا۔“

عالمگیر کو مملکت مغلیہ کی کمزوری کا ذمہ دار بھی ملک گیری کی ہوں کے ساتھ قرار دے دیا گیا۔ پھر یہ پروپیگنڈہ کیا گیا کہ عالمگیر نے جزیہ لگایا اور ہندوؤں کا ناراض کیا۔ 1857 کی جنگ کو جنگ آزادی نہیں بلکہ بغادت کا نام دیا۔ ایک عنوان ”قائدِ اعظم“ کے مذہب کے بارے میں ”تصورات“ کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔ ”قائدِ اعظم کا تصور یہ تھا کہ مذہب ایک ذاتی معاملہ ہے اور اس کا شہریوں کے حقوق کے حوالے سے کوئی سروکار نہیں اور قائدِ اعظم کی 11۔ اگست کی متنازعہ تقریبی چند لائیں سیاق و سبق سے ہٹا کر پیش کی گئی ہیں۔ آگے چل کر مصنف لکھتا ہے:

”یہ ضیاء الحق کا خیال تھا کہ پاکستان کا مقصد و جو دل اسلام کے علاوہ کچھ اور نہیں تھا کیونکہ ان کے ساتھ فوجی حمایت بھی شامل تھی۔ اس لیے وہ دوسروں کے مشوروں کو نظر انداز کر سکتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح وہ مذہبی گروہ خصوصاً جماعتِ اسلامی کی حمایت حاصل کر سکتے تھے۔ جس نے بھٹو کی مخالفت کی۔ ضیاء الحق نے حدود آڑی نیس نافذ کیا جس نے خواتین کے ساتھ نا انصافی کی اور اس قانون نے کئی پاکستانیوں کو پریشان کر دیا۔“ (17)

(viii) غیر ملکی یونیورسٹیوں سے الحاق:

غیر ملکی یونیورسٹیوں کو اجازت ہے کہ اپنی شاخیں پاکستان میں کھولیں اور جو چاہیں پڑھائیں اور پاکستانی یونیورسٹیوں کو بھی اجازت ہے کہ غیر ملکی یونیورسٹیوں کا نصاب اپنے ہاں پڑھائیں۔

(ix) مشنی سکول:

ایک مسلمان معاشرے اور اسلامی ریاست میں غیر مسلم اقلیتوں کو اپنے مذہبی و تعلیمی ادارے قائم کرنے کی اجازت ہوتی ہے تاکہ وہ اپنے عقائد کے مطابق اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کر سکیں۔ لیکن اس امر کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ ان تعلیمی اداروں میں مسلمان بچے تعلیم و تربیت حاصل کریں لیکن ہمارے مسلمان بڑے فخر اور خوشی سے عیسائی مشنریوں کے قائم کیتھڈرل سکولوں میں بچے داخل کرواتے ہیں۔

(x) تصویر:

مغربی تہذیب کا مزاج یہ ہے کہ اس کے ہاں داخل کی بجائے خارج اور Content کی بجائے Form پر زور ہوتا ہے۔ یہ چیز اس کی جمالیات، معاشرت، ثقافت، فلسفہ غرض ہر چیز سے ظاہر ہے۔ تعلیم میں اس کا اظہار تصویر کے کثرت استعمال سے ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں تعلیم چونکہ مغرب کا چوبہ ہے اس لیے پہلی جماعت کے قاعدے سے لے کر اوپر تک ہر جگہ تصویری کاراج ہے لیکن کسی مسلمان ماہر تعلیم کے کان پر جوں نہیں رینگتی کہ اسلام کا مزاج خارج کی بجائے داخل اور Form کی بجائے Content پر زور دیتا ہے۔ (18)

علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے کہ:

دنیا کو ہے پھر معركہ روح و بدن پیش

تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا ہے (۹)

جنوری 2010ء کی ڈان کی رپورٹ کے مطابق امریکا پاکستان میں تعلیم کے میدان میں دوسویں ڈالر صرف کرے گا جو کہ پیلک سیکٹر میں کی جائے گی تاکہ ملک میں بڑھتے ہوئے عسکری رجحانات کو روکا جاسکے۔ امریکا کے منصوبہ سازوں کو یقین ہے کہ پاکستان کے نصاب میں ایسا مواد موجود ہے جو تشدید کو خوشنما بنائے کر پیش کرتا ہے۔

آج پاکستان کو آزاد ہوئے 66 سال ہو چکے ہیں مگر آج بھی ہمارے ہاں لا رڈ میکا لے کا نظام تعلیم موجود ہے لیکن ہمارا دشمن اس پر بھی مطمئن نہیں اب وہ ہمارا سارا نصاب تبدیل کر کے مسلمان نوجوان کے دل سے روح محمدؐ نکال دینا چاہتے ہیں۔ ان حالات میں ہماری بہت بھاری ذمہ داری بنتی ہے۔

اصلاح کے اقدامات:

- 1- ہم اس مذہب کے پیروکار ہیں۔ جس کی پہلی وحی ”اقراء“ کے عنوان سے نازل ہوتی ہے۔ جس نے تمام

انسانوں کی تعلیم کو ایک بنیادی ضرورت قرار دیا۔ جو اپنا پورا نظام حیات رکھتا ہے۔ لہذا ہمیں اپنا نظام تعلیم اسلامی اصولوں کے مطابق ترتیب دینا چاہیے۔ ایسا نظام جس کا مقصد:

- (i) علم برائے عمل۔ علم برائے اصلاح۔ علم برائے ترقی ہو۔
- (ii) جس علم کی بدولت نسل کی صلاحیتوں کی نشوونما ہو۔
- (iii) وہ جو علمی اور قومی ضروریات کو پورا کرتا ہو۔

قايداء عظیم محمد علی جناح نے پہلی تعلیمی کانفرنس کراچی منعقدہ 27 نومبر 1947ء کو اپنے پیغام میں کہا تھا۔ ”آپ جانتے ہیں کہ صحیح فہم کی تعلیم کی اہمیت پر جتناز و ردیا جائے کم ہے۔ اگر ہمیں حقیقی ترقی کرنا ہے تو سنجیدگی سے تعلیم کے مسئلے کو حل کرنا ہو گا۔ ہمیں اپنی تعلیمی پالیسی اور پروگرام کی تشكیل ان خطوط پر کرنی چاہیے جو ہمارے قومی ذوق کے مطابق ہوں اور ہماری تاریخ و ثقافت سے ہم آہنگ ہوں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہماری مملکت کے مستقبل کا انحصار بڑی حد تک اس نظام تعلیم پر ہو گا۔ جو ہم وضع کریں گے اور اس امر پر بھی ہو گا کہ ہم اپنے بچوں کی تربیت کس طرح کرتے ہیں وہ پاکستان کے سچے خادم بن سکیں۔ تعلیم کے معنی صرف درس اور کتابی تعلیم کے نہیں اس سب سے پہلے ہمیں آنے والی نسلوں کے کردار کی تغیری کرنی ہے۔ یعنی نیک نامی، دیانت داری بے اوث قومی خدمت اور احساس ذمہ داری کے شعور کی نشوونما دی جائے۔“ (20)

”ایک یہ کہ مسلمانوں کا نظام تعلیم ایسا ہو، جو ان کے دل و دماغ میں اسلام کے طریق فکر اور مقصد حیات کو صحیح طور پر پیوست کر دے اور ان کو اس قبل بنائے کہ وہ مسلمانوں کی حیثیت سے دیکھیں، مسلمانوں کی حیثیت سے سوچیں اور اسلام کے بتائے ہوئے معیار کے مطابق زندگی کے ہر دورا ہے پر ایک راستہ کا انتخاب کریں۔“ (21)

2- آج کا سیکولر ہاتھوں اور دین سے تیار کردہ نصاب جو خاص طور پر Convent طرز تعلیم اور پرائیوریٹ اسکولوں میں آنکھ بند کر کے انہوں کی طرح بغیر سوچ سمجھے پڑھایا جا رہا ہے۔ دراصل قوم کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کی کوشش ہے۔ بلکہ کوشش یہ ہے کہ کیونکہ نظام حکومت دور غلامی کی شاہکار اب تک ہے۔ اس لیے نوکر شاہی اور غیر شاہی اداروں میں فیصلہ ساز پوسٹوں پر وہی لوگ آ کر بیٹھیں گے جو ان تعلیمی اداروں سے اور یہ نصاب پڑھ کر نکلیں گے اور جب یوگ فیصلہ ساز جگہوں اور میڈیا پرٹی وی اسٹنکر بن کر یا انگریزی اخبارات میں اپنے خیالات کا اظہار کریں گے تو بات وہی کریں گے جو سیکولر اور امریکی لائبی چاہیے گی۔

3- یہ بات بھی معلوم ہوئی چاہیے کہ اٹھا رہویں ترمیم کے نتیجے میں تعلیم کا محکمہ صوبوں کے پاس چلا گیا ہے اور

اب صوبے نصاب تعلیم بنانے کے مجاز ہیں۔ اس طرح اب نصاب تعلیم کے حوالے سے مرکزیت ختم ہو جائے گی اور خدشہ ہے کہ صوبائیت، عصیت اور لاد بینیت کا زہر نصاب کے ذریعے نسل کو پہنچایا جا سکتا ہے۔

4۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے بچے پکے مسلمان اور اچھے شہری ہوں تو ہمیں اپنا نظام تعلیم و تربیت بدلتا ہو گا۔ ڈاکٹر محمد امین نے ”ہمارا تعلیمی بحران اور اس کا حل“ میں اصلاح احوال کے لیے درج ذیل جدول دیا ہے۔



اگر حکومت حسن نیت کے ساتھ کام کرنا چاہے تو بہت سارے مفکرین و ماہرین نے عمدہ تجویدی ہیں۔ ماڈل تعلیمی ادارے قائم کر کے یہ کام کر سکتی ہے۔ اگر حکومت ایک اچھا نمونہ پیش کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے تو پرائیویٹ سیکٹر خود اس کی نقل کرتے ہوئے اپنے نظام کی اصلاح کرے گا۔

5۔ ڈاکٹر محمد امین لکھتے ہیں:

- (i) پرائیویٹ سیکٹر میں ماڈل اسلامی سکول کھولے جائیں۔ سرمایہ کاری کے لیے نہیں بلکہ اصلاح کے لیے۔
- (ii) علوم کی اسلامی تشكیل نو کے لیے ادارہ قائم کیا جائے۔ یہ ادارہ اسلامی نقطہ نظر سے سکول سطح کے نصابات تیار کرے جو کہ اسلامی تفاضل پورا کرتا ہو۔

(iii) یہ ادارہ اسلامی تربیت پر بھی تحقیق کرے اور تربیتی پکج تشكیل دے۔

(iv) اساتذہ کی اسلامی تربیت کے لیے بھی ایک ادارہ قائم کیا جائے۔ (23)

6۔ اس پورے تناظر میں ایک اہم ذمہ داری والدین کی ہے وہ دیکھیں کہ بچے کیا تعلیم دی جا رہی ہے۔ اس پر کیا اثرات رونما ہو رہے ہیں۔ انگریزوں اور غیر مسلموں کے تیار کردہ نصاب میں شامل زہر یہ مادے کے بر عکس حقیقت حال سے آگاہ کرنا والدین کی ذمہ داری ہے۔

7۔ دوسری ذمہ داری اساتذہ کی ہے نصاب کو صرف پڑھائیں نہیں بلکہ ان کی تربیت بھی کریں نصاب کے مضر اثرات سے طلباء کو بچائیں۔ استادتو نبی کا وارث ہوتا ہے آپ کو صرف نوکری سے غرض نہیں ہونی چاہیے بلکہ آپ کی ذمہ داری تو ملک و ملت کو ترقی کی اعلیٰ منازل پر پہنچانے والی نسل نوکی تیاری ہے۔

8۔ ایک اہم ذمہ داری علماء کرام کی ہے کہ وہ نئی نسل سے پیار کا سلوک کریں ان کو اپنے پاس شفقت سے بلا کر بھائیں اور اچھا برا سمجھائیں، تاریخی حقائق سے آگاہ کریں۔ لوگوں کو صحیح منظر بتائیں اور آنے والے خطرات سے آگاہ کریں۔

اس مسئلے کی اہم ذمہ داری اس نظریاتی گروہ پر بھی عائد ہوتی ہے جن کے اثرات طلبے سے لے کر اساتذہ تک موجود ہیں۔ جن کے پاس افرادی قوت ہے۔ وہ اپنی ذمہ داری کو سمجھیں اور حل کریں۔

یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبیر، یہ حکومت
پیغام ہیں لہو، دیتے ہیں تعلیم مساوات
بے کاری و عربی و مئے خواری و افلas
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کے فتوحات؟
ہے دل کے لیے
موت مشینوں کی حکومت
احساس مروت کو چکل دیتے ہیں آلات
کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ؟
دنیا ہے تری منتظر اور مکافات (24)

کسی بھی ملک کی ترقی کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ نظام تعلیم اپنی فکر اور نظریے کے مطابق ترتیب دے۔

انگریزوں نے جب ہندوستان پر قبضہ کیا تو نظام تعلیم خود کار بھی اور خود کفیل بھی تھا۔ اس کی بنیاد خوف خدا اور آخرت کی جوابد ہی پر رکھی گئی تھی۔ اساتذہ اور طلباء دینی جذبے سے سرشار ہو کر تعلیم و تعلم میں مصروف رہتے تھے۔ عوام و خواص کی تفریق نہیں تھی یہاں نظام تعلیم رائج تھا۔

انگریزوں کا راجح کردہ نظام تعلیم ہمارے نظریات اور ضروریات کے مطابق نہ تھا۔ اس لیے آزادی حاصل کرنے کے بعد ہمیں اپنی ضروریات اور فکر کے مطابق نظام تعلیم راجح کرنا چاہیے تھا۔

پروفیسر سید محمد سعید لکھتے ہیں:

”مقصود حیات اور مقصود تعلیم معین ہو جانے کے بعد سب سے اہم ضرورت یہ ہے کہ طالب علموں کے اذہان کی آبیاری کی جائے۔ ان کے اندر فکر و فہم، شعور و ادراک کا ملکہ اور استعداد پیدا کی جائے۔ ان کو عقل و خرد کا استعمال سکھایا جائے۔ ان کے اندر تحقیق و تنقید کا ملکہ پیدا کیا جائے۔ ہر چیز کو وہ بلا سوچ سمجھے امتا صدقۃ نہ کہہ دیں بلکہ اس کو اپنی عقل کی اور اپنے علم کی کسوٹی پر پڑھیں۔ اس کا غلط اور صحیح ہونا معلوم کریں۔ تنقید سے یہ معلوم کریں کہ کس قدر حصہ صحیح ہے کس قدر باطل کی آمیزش ہے ہو کھلے دماغ سے اور کھلی آنکھوں سے تعلیم حاصل کریں۔ (25)

حوالہ جات

- 1 علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال، آواز غیب، الفیصل پبلیشورز 2002ء، ص، 146
- 2 علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال، ضرب کلیم، الفیصل پبلیشورز 2002ء، ص، 707
- 3 مودودی، ابوالاعلیٰ، تعلیمات، اسلامک پبلیکیشنز پرائیویٹ لمبیڈ پاکستان ستمبر 1994ء، ص: 141, 142
- 4 مودودی، ابوالاعلیٰ، تفہیمات، اسلامک پبلیکیشنز پرائیویٹ لمبیڈ پاکستان دسمبر 1987ء، ص، 93
- 5 خالد علوی، ڈاکٹر، مجلہ دعوۃ الکلیڈی، فروری 2005ء، ص، 63
- 6 شریا بتوں علوی، پروفیسر، 2006ء، استاد ملت کا محافظ، تنظیم اساتذہ پاکستان (خواتین) ص، 13
- 7 علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال، ضرب کلیم، الفیصل پبلیشورز 2002ء، ص، 689
- 8 اور یا مقبول جان، مجلہ شعاع فکر ”تعلیم کے نام پر بربادی کا کھیل“ لاہور، تنظیم اساتذہ پاکستان (خواتین و مگ) 2004ء، ص، 23
- 9 علامہ محمد اسد، اسلام دورا ہے پر، مترجم محمد سرفراز نجم، البلاغ انسانیت دوست، لاہور، 2005ء، ص، 77
- 10 علامہ محمد اسد، اسلام دورا ہے پر، مترجم محمد سرفراز نجم، البلاغ انسانیت دوست، لاہور، 2005ء، ص، 78

12. Stephen Evans, "Macaulay's minute revisited: Colonial language policy in nineteenth-century India," Journal of Multilingual and Multicultural Development (2002) 23#4 pp. 260-281

- 13- علامہ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال، ضربِ کلیم، افیصل پبلشرز، 2002ء، ص 696
- 14- محمد امین، ڈاکٹر، "اسلام اور تہذیبِ مغرب کی کشمکش ایک تجزیہ، ایک مطالعہ" بیت الحکمت، لاہور، 2006ء، ص 130، 131
- 15- مودودی ابوالاعلیٰ، "قوموں کے عروج و زوال پر علمی تحقیقات کے اثرات" ادارہ ترجمان القرآن، پرانی یونیورسٹی، لیکنڈ لاہور، 1992ء، ص 21، 22
- 16- شریا بنوں علوی، پروفیسر، استاد مولت کا محافظ تنظیم اساتذہ پاکستان، 2006ء، ص 46، 47، 47
- 17- ڈاکٹر محمد امین، اسلام اور تہذیبِ مغرب کی کشمکش بیت الحکمت، لاہور 2006ء، ص 126، 132
- 18- ڈاکٹر محمد امین، اسلام اور تہذیبِ مغرب کی کشمکش، بیت الحکمت، لاہور، 2006ء، ص 132
- 19- علامہ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال، ارمغانِ حجاز، افیصل پبلشرز، ص 735
- 20- ڈاکٹر بنی بخش خاں بلوچ، طلبہ اور تعلیم۔ مطبوعہ قائدِ عظم اکیڈمی، ص 102
- 21- مودودی ابوالاعلیٰ، تعلیمات، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، 1994ء، ص 14
- 22- ڈاکٹر محمد امین، ہمارا تعلیمی بحران اور اس کا حل، بیت الحکمت، لاہور، 2005ء، ص 383
- 23- ڈاکٹر محمد امین، ہمارا تعلیمی بحران اور اس کا حل، بیت الحکمت، لاہور، ص 189
- 24- علامہ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال، بابل جریل، افیصل پبلشرز، ص 480-481
- 25- محمد سلیمان سید، پروفیسر، مغربی نظام تعلیم، تقدیم و تصریح، ادارہ تعلیمی تحقیق تنظیم اساتذہ پاکستان، 1989ء، ص 67